ایک روح پرور اجتماع کی روئداد

واہ کینٹ (راولپنڈی میں) حضرت مولانا احسان الحق الحسینی کے مرکز میں ''دارالعرفان'' کے نام سے خانقاہ ہے، موصوف مسجد میں خطیب ہیں۔ مسجد سے ملحقہ حجرہ ہے، جو خانقاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جہاں روحانیت کے طلب گار اپنی آتش عشق کو تیز کرنے اور نفسی قوتوں کو پامال کرنے کے لئے موصوف سے رجوع ہوتے ہیں اور ان کی صحبت سے متمتع ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا احسان الحق صاحب عمر رسیدہ شخصیت نہیں ہیں، کوئی چالیس سال کے لگ بھگ عمر ہوگی، لیکن اللہ نے انہیں بہت سی صفات وکمالات سے نوازا ہے۔ موصوف کے ہاں روایتی پیروں کی طرح آداب، شان وشوکت، گاڑی، بنگلہ اور ظاہری نمائش کی کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ طالبوں کو ہر وقت دستیاب ہوتے ہیں۔ ان سے محبت اور تواضع کا معاملہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں شیخ اور مریدوں کے درمیاں کوئی حجاب موجود نہیں۔

مولانا احسان الحق صاحب کی شخصیت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ملت کے دوسرے طبقات اور دوسری جماعتوں سے وابستہ افراد کو وہ ملت ہی کا حصہ سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں موجود خیر کے اجزاء سے پوری طرح آشنا ہیں۔ وہ دائراتی خولوں کو امت کے لئے نقصاندہ سمجھتے ہیں۔ ان کے دروازے امت کے ہرگروہ ومسلک کے افراد کے لئے کھلے رہتے ہیں، دوسری جماعتیں انہیں بھی اپنے ہاں کی تقریبات میں مدعو کرتی ہیں۔

موصوف کا علم وادب سے بھی گہرا رشتہ قائم ہے۔ دینی ومذہبی کتابوں کے علاوہ دور جدید کے حالات ومسائل اور جماعتوں وتحریکوں کے نظریاتی لٹریچر اور لادین نظریات پر بھی نگاہ ہے۔

مولانا احسان الحق الحسینی صاحب کی ان صلاحیتوں وخوبیوں کی وجہ سے سرکاری افسران اور پڑھے لکھے افراد کا، اپنی ذاتی اصلاح کے سلسلہ میں ان سے رجوع کافی بڑھ رہا ہے اور ان کے حلقہ میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ ان کی ذہن سازی کے سلسلہ میں امت پن کے تصور کو پختہ کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہوں کی فکر اور جدوجہد میں سلف سے عدم مطابقت رکھنے والے جو پہلو اور اجزا موجود ہیں، ان کی نشاندہی بھی کرتے رہتے ہیں۔

مولانا نے ایک اور کام جو شروع کیا ہے، وہ نو عمر افراد اور عورتوں کی دینی تعلیم وتربیت کا کام ہے۔ دومنزلہ عمارت میں یہ کام شروع کردیا ہے، ایک ماہانہ دینی رسالہ کا منصوبہ بھی ان کے پیش نظر ہے۔

مولانا احسان الحق صاحب کے ہاں پچھلے دس سال سے ''دارالعرفان'' کے پلیٹ فارم سے سالانہ دو دن کا روحانی، اصلاحی اور تربیتی اجتماع منعقد ہوتا ہے، جس میں ملک بھر سے ان سے وابستہ افراد شریک ہوتے ہیں اور تقاریر وتربیت کے لئے ملک بھر کی اہم دینی وروحانی شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ پچھلے سال کی طرح اس سال بھی مولانا کی منعقدہ اس تقریب میں مجھے محترم حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کے ساتھ شریک ہونے کا موقعہ ملا۔

اس بار بزرگوں اور مربیوں میں جن شخصیتوں نے شرکت فرمائی، ان میں مانسرہ سے حضرت مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ، مسکین پور (بھاولپور) سے حضرت محمد شاہ صاحب قریشی، ایبٹ آباد سے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب، مانسرہ سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب۔ اٹک سے مولانا عبدالقدوس صاحب، مولانا ظہیر الدین احمد زئی صاحب، ممتاز کالم نگار مولانا اسماعیل ریحان صاحب، پروفیسر عبدالواحد سجاد صاحب، مولانا نور الاسلام صاحب، مولانا عبدالصبور صاحب، ہزارہ سے مولانا محمود الحسن صاحب، کوئٹہ سے مولانا مفتی محمد طیب صاحب وغیرہ شامل ہیں۔ تقریب میں حاضری گیارہ بارہ سو کے لگ بھگ تھی۔

اجتماع کا آغاز ۲۲ فروری کو نماز فجر کے بعد ذکر کے موضوع پر حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی گفتگو سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ زندگی عبارت ہے، ذکر سے اور مردنی اور پاکیزہ احساسات سے محرومی نام ہے ذکر سے محرومی کا۔ ذکر جب وظیفہ بن جاتا ہے اور مزاج کا حصہ ہوجاتا ہے تو زندگی کے سارے معاملات بحسن خوبی سرانجام ہونے لگتے ہیں اور ایسا فرد زندگی کی دوڑ میں حریصانہ طور پر شرکت کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ وہ صبر وشکر، قناعت، رواداری اور محبت اور سراپا محبت کا حامل ہوجاتا ہے۔ وہ خوداعتمادی سے بہرہ ور ہوجاتا

ہے۔ ذکر کا ملکہ راسخ ہونے والوں سے خوف وحزن، رنج وغم، ذہنی دباؤ اور ہر قسم کی نفسیاتی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔

امام ابن قیم نے لکھا ہے کہ بندہ جس قدر ذکر سے غافل ہوتا ہے، وہ اتنا ہی اللہ سے دور ہوجاتا ہے، غافل کے درمیاں اور اللہ کے درمیاں وحشت پیدا ہوجاتی ہے، جو اللہ کے ذکر کے بغیر زائل نہیں ہوسکتی، نیز ذکر سے غافل انسان مقام احسان تک نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ بیٹھ جانے والا فرد گھر نہیں پہنچ سکتا۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب نے مراقبہ کی اہمیت پرزور دیتے ہوئے کہا کہ مراقبہ ساری ذہنی ووجدانی توانائیوں کو ایک مرکزی نکتہ یعنی اسم ذات کی طرف مرتکز کرکے، اللہ کے انوارحسن سے فیضیاب ہونے کا ذریعہ ہے، جس سے اسلامی شریعت محبوب تر بن جاتی ہے، زندگی حسین سے حسین تر ہوجاتی ہے اور تخلقوا باخلاق اللہ کی صورت پیدا ہونے لگتی ہے اور فرد وافراد انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہونے لگتے ہیں۔ موجودہ دور کے سارے المیہ کی بنیاد ہی یہ ہے کہ فرد وافراد، انوار الٰہی سے محرومی کی وجہ سے مادیت ونفسانیت کی دلدل میں مبتلا ہیں، ذکر ومراقبہ کے بغیر نفس کی غلاظتوں اور کثافتوں سے بلند ہونے کی صورت پیدا ہو سکے، ممکن ہی نہیں۔

حافظ صاحب کی گفتگو کے بعد آدھے گھنٹہ کا مراقبہ ہوا، پروگرام کی دوسری نشست دوپہر کی نماز کے بعد شروع ہوئی۔

اجتماع کی دوسری نشست مولانا احسان الحق الحسینی کے ابتدائی کلمات سے شروع ہوئی، انہوں نے کہا کہ ہمارے دسویں سالانہ اجتماع کا آغاز ہو چکا ہے، جس میں ملک بھر سے علماء، صلحا اور سالکین راہ محبت شریک ہوئے ہیں، یہ اجتماع انشاء اللہ ہم سب کی اصلاح رجوع الی اللہ اور اسلامی شریعت پر گامزن ہونے کے سلسلہ میں مؤثر اور مفید ثابت ہوگا۔ بعد ازاں انہوں نے ملک کی ممتاز شخصیت پیر محمد شاہ قریشی نقشبندی دامت برکاتہم مسکین پورشریف کو خطاب کی دعوت دی۔

حضرت شاہ صاحب مسکین پورشریف کے سجادہ نشین ہیں، جس خانقاہ سے لاکھوں لوگوں کو اللہ پاک نے فیض یاب فرمایا۔

اس دور میں مسکین پور سے شریعت وطریقت کی آمیزش سے جو فیض پھیلا ہے اور لاکھوں افراد کو راہ عشق کی جو سعادت حاصل ہوئی ہے وہ بے مثال ہے۔

حضرت محمد شاہ قریشی صاحب مدظلہ اس مرکز فیض کے موجودہ سالار ہیں، حضرت فضل علی قریشیؒ نے مسکین پور کو کیا مسکن بنایا کہ دور دراز سے علماء، فضلا اور عام افراد، عشق کی پیاس بجھانے کے لئے رجوع ہوئے۔ حضرت فضل علی قریشیؒ کے غیرمعمولی مجاہدوں، زہد، تقویٰ، درویشی اور دنیا سے استغنا جیسی صفات میں کمالات کی وجہ سے ان کی خانقاہ کو ایسی مقبولیت عطا ہوئی کہ پنجاب سندھ اور بلوچستان کے دور دراز کے علاقوں میں ان کا فیض پہنچا اور ان کے خلفاء کی جدوجہد سے زندگی کا نقشہ بدلنے لگا۔ اس وقت پاکستان میں نقشبندی سلسلہ کے پھیلاؤ میں مسکین پور کے اس مرکز کو سب سے بنیادی عمل دخل حاصل ہے۔ حضرت محمد شاہ صاحب عرصہ سے مسلسل دوروں میں رہ کر، اس روشنی کو پھیلانے میں مصروف ہیں، اللہ نے ان کی زبان میں غیرمعمولی تاثیر رکھی ہے، ان کی بات سادہ سی ہوتی ہے، لیکن دلیں اس کی طرف کھینچی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ سندھ میں حضرت فضل علی قریشیؒ کا سلسلہ جس طرح روایتی بریلویت اور پیر پرستی کی شکل اختیار کر گیا ہے اور اس سلسلہ کے گدہ نشین جس طرح دولت کے انبار جمع کرنے کی روش پر گامزن ہیں، اس پر حضرت محمد شاہ قریشی صاحب سخت متفکر ہیں اور ان کے رخ کو درست کرنے کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں بھی ہیں۔

حضرت محمد شاہ قریشی صاحب نے ذکر کے موضوع پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

بہت سے اولیاء اللہ اور صاحب نظر بزرگ یہاں موجود ہیں۔

ایک ہوتی ہے بصیرت اور ایک ہوتی ہے بصارت
بصارت آنکھ سے دیکھنا اور بصیرت دل سے دیکھنا

یہ سب حضرات صاحب نسبت ہیں۔ ذکر کیا ہوتا ہے، کس ذکر کو کتنا کرنا اور کیسے کرنا ہے، ذکر کس طریقے سے ہو، یہ نہ میں نے ایجاد کیا ہے، نہ میرے دادا مرشد نے کیا۔اس ذکر کے انداز کو رب نے عرش معلیٰ پر دیکھا بھی اور سنا بھی ہے، حبیب

دوجہاں ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اُن کے ساتھ جاکے بیٹھیں۔ اب اس جماعت کی فضیلت دیکھیں۔

مفہوم حدیث: صحابیؓ فرماتے ہیں، آپ ﷺ اپنے گھروں میں سے ایک گھر میں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ کے نو گھر تھے۔ ایک کے ساتھ ایک جڑا ہوا تھا۔ چھت اتنی اونچی کہ سر لگتا تھا اور بارش کے پانی کی وجہ سے سوراخ ہوگئے تھے۔ اُسی میں سے ہوا آتی اور روشنی آتی تھی۔ یہ دوجہاں کے بادشاہ علیہ السلام کے گھر تھے۔

حکم آیا، اے میرے محبوب ﷺ، گھر میں نہ بیٹھیں، باہر آئیں، اُن کے پاس جو میری یاد میں مشغول ہیں، حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور گھر سے باہر نکل آئے، ڈھونڈنے لگے۔ آپ ﷺ نے ایک جماعت کو پالیا۔ بال سب کے کھلے ہوئے۔ کپڑے سادہ، غریب، مساکین، جلد خشک ہوئی تھی۔ سر اپنے گھٹنوں میں دے کر بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ کے پہنچنے پر صحابہؓ کھڑے ہوگئے۔ سلام ودعا ہوئی، آپ ﷺ نے پوچھا، کیا کررہے ہو، انہوں نے کہا، آپ ﷺ نے جو تعلیم دی ہے۔ ہم اس کے مطابق ذکر فکر میں مشغول ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، شکر ہے اُس ذات کا، جس نے مجھے پیدا کیا اور دنیا میں مبعوث فرمایا، اِس زندگی میں میری امت میں ایسی جماعت پیدا کی اور مجھے حکم ہوا، میرے رب کی طرف سے کہ میں محمد ﷺ اُن کے ساتھ جاکر بیٹھوں، یہ ذاکرین کی جماعت ہے۔

مسجد نبوی شریف میں آپ ﷺ نے خود صحابہؓ کا تزکیۂ کیا۔ یہ نور سینہ بسینہ منتقل ہوا۔ ذکر جہری کا آغاز اور ذکر خفی کا آغاز کہاں سے ہوا اور ہمیں ملا۔ جیسے کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، جنازہ، کفن اور قبر کا طریقہ ہمیں ملا اور ذکر کا طریقہ وعمل بھی ہمیں وہیں سے ملا۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو قریب بلاکر آپ ﷺ نے اُن کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، جو انوارات وعلم میرے سینے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ پہنچے اور انہوں نے میرے سینے کو سینہ سے ملاکر سینہ میں عطا فرمائے، اور تین دفعہ فرمایا اور دعا فرمائی یا اللہ، جو کچھ میرے سینے میں آپ نے ڈالا ہے، وہ سب کا سب صدیقؓ کے سینہ میں ڈال دے، صدیق اکبرؓ نے وہ چیز حضرت سلمان فارسیؓ کے سینہ میں ڈال دی۔

یہ فیض سینہ بسینے قیامت تک رہے گا۔ دراصل یہ آسمانی فیض ہے، قیامت اُس وقت نہیں قائم ہوگی، جب تک دھرتی پر ایک بھی ذاکر انسان موجود ہے۔ حدیث شریف میں یہی کچھ فرمایا گیا ہے۔

ذکر جہری بھی مسنون ذکر ہے، باقی تمام سلسلے بھی ہمارے ہیں۔ یہ سلسلے شیر خدا سیدنا علی المرتضٰی کی طرف منسوب ہیں۔ آپ محبوب ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ میں مجلس میں بھی بیٹھتا ہوں، جو تعلیم دی ہے، وہ پوری کی پوری اپنائی اور عمل کیا، لیکن مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں، جو اللہ سے زیادہ قریب کردینے والا ہو۔ فرمایا، تم اللہ کا ذکر کیا کرو اور آپ نے ان کان قریب کرکے اللہ کی ضرب لگائی، فرمایا جاؤ، ذکر کرو، اللہ تمہیں اپنا قرب نصیب فرمائے گا۔

ثابت ہوا کہ ذاکرین کو ہی قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ صحابیؓ نے عرض کیا، میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں خاص مقام حاصل ہوجائے، فرمایا، اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو، دنیا میں خاص مقام پالوگے۔

دنیا سے بڑے بڑے علم کے سمندر لوگ چلے گئے، ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں۔ لیکن شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جنید بغدادیؒ، فضیل ابن عیاضؒ، بہاؤ الدین نقشبندؒ، خواجہ معین الدینؒ چستی اجمیری اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تمام بزرگوں کے نام زندہ ہیں اور دلوں میں موجود ہیں۔

حضرت علیؓ کے کان میں جو ضرب لگائی، اِس سے یہ ثابت ہوا کہ ویسے زور سے اللہ کا نام نہ لیں، جب تک بے اختیار نہ ہوجائیں، اتنی آواز سے اللہ کا نام لیں، جتنا آپ کے کان سن سکیں، حضرت علی کرم اللہ فرماتے ہیں کہ میرا جسم پسینہ پسینہ ہوگیا، کیونکہ توجہ حضور ﷺ کی تھی، اُس کا اثر یہ ہوا میں کانپتے کانپتے کنویں میں چلا گیا، جب آپ ﷺ وبارک وسلم نے توجہ فرمائی تو کنویں کا پانی جوش مارتا ہوا باہر آ گیا۔ یہ اللہ کے نام کی تاثیر ہے جو عشق سے پیدا ہوتی ہے، تاثیر اُن میں پیدا ہوتی ہے، جن کے سینہ میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی محبت ہوگی۔

جس بندہ کی زبان سے اخلاص کے ساتھ ایک دفعہ بھی اللہ نکل آیا، اس کا ترازو عمل سارا بھر جائے گا، ملائکہ پوچھیں گے، وہ کونسی نیکی ہے، جو ہم نے نہیں سنی، فرمایا، اس نے مجھے ایک دفعہ اخلاص سے پکارا تھا، تم نے نہیں سنا، لیکن میں نے سنا، اور اسے اپنے عرش پر

سنبھال لیا۔

حضور نبی کریم علیہ السلام جب عرش سے نیچے اترے تو ایک جماعت عرش کے نیچے چھپی ہوئی تھی، آپ ﷺ وبارک وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، کیا یہ انبیاء ہیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں، یہ وہ ہیں جو اللہ کا کثرت سے ذکر کرتے تھے۔

ذکر کا جو طریقہ نقشبند حضرات کا ہے، وہ ہمیں قرآن وحدیث سے ملا ہے، آپ ﷺ وبارک وسلم کے قول فعل اور صحابہؓ کی جماعت کے قول وفعل سے ملا ہے۔

سب سے پہلے قرآن پاک میں ہے:

(اپنے رب کا ذکر کرو، دل میں عاجزی وانکساری سے اور بلا آواز کے) تمام جمیع عبادات ذکر ہیں، اصلی ذکر اللہ ہے، جس کی کوئی تعداد نہیں، باقی تمام عبادات کی مقدار متعین ہے، ذکر کے بارے میں قرآن پاک میں آتا ہے۔

اے ایمان والو ذکر کرو اللہ کا کثرت کے ساتھ۔

سب سے بڑا ذکر اللہ کا ہے، اُس کو اُس کے نام سے پکارنا اور یہ ہی اسم اعظم ہے، جب انسان خدا کہے تو کوئی فائدہ نہیں، جب اللہ کہے تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔

ذکر کیوں ضروری ہے، اسلئے کہ آقا علیہ الصلواۃ والسلام نے پوری زندگی ذکر میں گذاری، اماں عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، جب آپ ﷺ وبارک وسلم سوئے ہوتے تو جسم اطہر سے اللہ اللہ کی آواز آتی تھی۔

آپ ﷺ وبارک وسلم نے فرمایا، رب کا اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔

اس ذکر کرنے سے ملے گا کیا، اللہ فرماتے ہیں۔

فاذکرونی اذکرکم (پس تم مجھے یاد کرو میں (اللہ) تمہیں یاد کروں گا۔)

حضرت محمد شاہ صاحب کی ایمان افروز تقریر کے بعد مولانا ظہیر الدین انازئی صاحب نے مختصر وقت میں جامع گفتگو فرمائی، انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے ہم اس مبارک اجتماع میں جمع ہیں۔ اللہ کریم اس اجتماع کو ہمارے حق میں خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اس قسم کے اجتماعات کے اہم مقاصد اور بنیادی اغراض ہوتے ہیں، ہمارے بزرگوں نے لکھا ہے کہ ایسے اجتماع کے پانچ مقاصد ہیں۔

۱۔ باہمی الفت ومحبت کا پیدا ہونا

۲۔ رابطہ بالشیخ

۳۔ ترغیب عمل کا پیدا ہونا

۴۔ دفعۂ سستی

۵۔ تعارفِ سلسلہ

چونکہ یہ اجتماع ہمارے نظام تزکیہ واحسان میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے، اسلئے ہمیں تزکیہ کے بنیادی اہم امور پر توجہ دینی پڑے گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ تزکیہ کے بنیادی امور چھ ہیں۔

۱۔ فیضِ صحبت، جسکے بغیر تزکیہ کا سفر شروع ہی نہیں ہو سکتا۔ ۲۔ اقامت صلوٰۃ ۳۔ کثرت ِ تلاوت ۴۔ قیام اللیل ۵۔ کثرتِ ذکر ۶۔ مواخاۃ۔ آپس میں ہمدردانہ تعلقات۔

بعد ازاں مولانا سید محمود الحسن شاہ صاحب نے تقریر فرمائی۔

پھر وہی اخلاق اسلامی جو ہم میں عام ہوں
پھر ہے ناممکن کہ ہم اپنے کام میں ناکام ہوں

فرد کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے، وہ طلب کی بنا پر ہی عطا ہوتا ہے۔ طلب اپنے ساتھ توجہ اور تاثیر بھی لاتی ہے، توجہ سے چھوٹی بات بھی بڑے اثر کی حامل ہوتی ہے۔

طلب ہی سے انوار آتے ہیں اور فیوض وبرکات حاصل ہوتی ہیں۔ صحابہ کرام کو طلب کی وجہ سے ایمان کامل کی دولت نصیب ہوئی، اصل چیز آخرت کی فکر ہے۔ فکر آخرت غالب ہوجائے تو یہ زندگی سراپا جہد اور سراپا سوز بن جائے۔

بعد ازاں مولانا نور الاسلام صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ مولانا موصوف برطانیہ میں اسکاٹ لینڈ کے اسلامک سینٹر سے وابستہ ہیں، وہاں عرصہ سے درس وتدریس اور دعوتی کام کررہے ہیں، موصوف نے لندن لیبرٹی یونیورسٹی سے ''اصول فقہ'' میں پی ایچ ڈی کی ہے اور ریاض یونیورسٹی سے بھی فارغ تحصیل ہیں اور چشتیہ سلسلہ میں مجاز ہیں آپ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ساری زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا، میں نے

زمین سے مشرق کو مغرب کو دیکھ لیا (یہ حدیث مستدرک حاکم کی ہے)۔

(آپ ﷺ نے فرمایا) بہترین لشکر وہ ہے جو استنبول کو فتح کرے گا اور اس کا امیر سب سے بہتر ہوگا۔

آپ نے قرآن کی مختلف آیات تلاوت کی اور کہا کہ آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ کیا کرتا ہے، قرآن کی ایک آیت یہاں سے پڑھتا ہے، ایک دوسری جگہ سے، ایک حدیث یہاں سے لیتا ہے، ایک وہاں سے، انکا آپس میں آخر کیا جوڑ ہے۔

آپ حضرات نہیں سمجھے، لیکن علماء سمجھ گئے ہونگے۔ استنبول کو سلطان محمد الفاتح نے فتح کیا ہے، جو مشربا نقشبندی تھا اور مسلکا حنفی تھا۔ اس حدیث سے اگر یہ نتیجہ نکالا جائے تو بالکل بجا ہوگا کہ نقشبندیت اللہ کے ہاں مقبول ہے۔

نور الدین زنگی، محمود غزنوی، محمد بن قاسم، شاہ اسماعیل شہید، احمد شہید، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ، یہ سب صوفی، فقیہہ اور مجاہد تھے۔

آج کے بدعتی صوفیوں کی طرح مولانا روم کے زمانے میں بھی صوفی تھے، انہوں نے اس کی مثال دی ہے، ایک مسافر کو رات ہوئی، رات گذارنے کیلئے خانقاہ میں گیا، گدھا باندھا اور اندر گیا، صوفی سب بھوکے تھے، انہوں نے اسکے گدھے کو بیچا اور لنگر بنایا، اسے بھی کھلایا اور محفل سماعت شروع ہوئی اور سب نے ایک ساتھ ذکر شروع کیا کہ (خررفت خررفت) گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا، مسافر بھی انکے ساتھ یہی کہتا رہا خررفت، صبح انہوں نے خانقاہ والوں سے پوچھا کہ میرا گدھا کہاں ہے تو وہ کہنے لگے، ہم نے رات کو کہ کہا تھا خررفت خررفت، لیکن تو نہیں سمجھا۔

جب تک یہ گدی نشین لوگ قرآن وسنت سے جڑے رہے تو یہی فقیہ، یہی امام حدیث، یہی صوفی اور مجاہد تھے۔

تو جب تک یہ تین چیزیں ساتھ چلتی ہیں، جنکا تذکرہ اللہ نے اس آیت میں فرمایا **رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُولاً مِّنۡهُمۡ يَتۡلُو عَلَيۡهِمۡ آيَاتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتَابَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ إِنَّکَ أَنتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ** ۔ میں تینوں چیزیں آتی ہیں، تبلیغ، تعلیم، تزکیہ، گو اس زمانہ میں جو شکل ان اعمال کی ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی، اس کی مثال صحابہ تھے اور صحبت رسول انہیں حاصل تھی تو انہوں نے براہِ راست وحی سنی اور حدیث سنی بھی اور عمل رسول دیکھا بھی، لیکن بعد میں زمانہ جیسے جیسے نبوت سے دور ہوا تو جس دور میں جیسے جیسے ضرورت ہوتی گئی، ہمارے بڑوں نے تعلیم کا ایک مستقل نظام مدارس کا سلسلہ قائم کیا، اور صوفیوں نے خانقاہی نظام کو تھام لیا اور کچھ علماء نے مستقل دعوت وتبلیغ مختلف انداز میں قائم رکھی تو وہ طریقہ یہ نہ تھا، لیکن مقصد نبوت یہی تھا۔

اسی طرح **يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُواۡ وَكُونُواۡ مَعَ الصَّادِقِيۡن** میں صحبت اختیار کرنے کا حکم ہے امت کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی صحبت کے بغیر رہا، وہ گمراہ ہوا، صحبت نے ہی صحابیت کا مقام دیا۔

اسی لئے اویسی قرنیؒ اور امت کے بڑے بڑے صلحاء، وحشیؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے، حدیث کا مفہوم ہے کہ قیامت کے قریب دور میں سب سے فاسق فاجر لوگ علماء ہونگے اور سب سے شریر لوگ یہی ہوں ہیں اور ساتھ ساتھ سب سے اچھے لوگ بھی علماء ہیں۔

طریقت نہیں ہوگی تو خشک مولویت ہوگی اور دین کی روح اور حقیقت سے دوری ہوگی۔ جیسے حدیث میں ہے نماز کو خفیف کرو تو کسی مولوی نے کہہ دیا، نماز ہلکی پھلکی اور بے جان پڑھو اور وہ ہل ہل کے نماز پڑھتا تھا۔ تو ان مولوی صاحب نے غلط اجتہاد کیا، اسلئے ہر شخص کیلئے اجتہاد صحیح نہیں، بلکہ جو بغیر علم کے اجتہاد کرے گا، وہ گمراہ ہوگا۔ اس سے پتہ چلا کے تقلید بھی ضروری ہے۔

حضرات صوفیاء کرام ہر بات اپنے حال سے کرتے ہیں، ہماری طرح نہیں، بلکہ یہ صحبت کے لائق لوگ ہیں، ان کی صحبت کے بغیر ہم نیک نہیں بن سکتے، اللہ ہمیں انکی دائمی صحبت نصیب فرمائے۔

جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو بنا کر اس میں روح پھونکی اور علم عطا کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، اللہ کا حکم مان کر، مادہ کو نہیں دیکھا، لیکن جب شیطان کو کہا تو اس نے مادہ کو دیکھا اور کہا کے میرا مادہ آدم کے مادے سے چار گناہ افضل ہے، کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں، آدم کو مجھے سجدہ کرنا چاہئے، اسلئے وہ مردود ہوگیا، تکبر، شیطانی صفت ہے، جس کا نتیجہ دعویٰ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے، جو صحبت اہل اللہ کے بغیر دشوار تر ہے۔

بعد ازاں پروفیسر عبدالواحد سجاد صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی پروفیسر عبدالواحد سجاد صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

قلب (Heart) دل جو انسانی جسم میں کھوکھلا عضلاتی عضو ہے جو متناسب طور پر مسکراتے اور پھیلتے ہوئے سارے جسم میں خون پہنچاتا ہے۔قلب کسی چیز کو الٹ دینے کو بھی کہتے ہیں، اسی طرح ہر چیز کے درمیانی حصے کو بھی قلب کا نام دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دل کو جسم عنصری میں حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے پیدا فرمایا، انسانی جسم وروح دونوں کی صحت کا دارومدار دل پر ہے۔

دل درست کام کرتا اور اپنے فرائض کی بجاآوری کرتا رہے تو انسانی زندگی صحیح ڈگر پر چلتی رہتی ہے، انسانی جسم کو خون کی جس مناسب مقدار کی ضرورت ہوتی ہے، وہ دل ہی مہیا کرتا ہے۔ جگر سے خون حاصل کرنے کے بعد اسے صاف کر کے شریانوں تک پہنچانا اور پھر استعمال شدہ گندے خون کو صاف کر کے واپس جسم کو سپلائی کرنا، یہ دل کا کام ہے۔ دل میں بگاڑ پوری زندگی کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔جسم کی طرح روح کی زندگی بھی دل کی درستگی سے وابستہ ہوتی ہے۔ دل میں خوف الٰہی کا نور ہو تو وہ خون کی طرح جسمانی اعضاء میں گردش کرتا ہے اور ان سے اعمال صالحہ کا صدور ہونے لگتا ہے، انوارات الٰہی سے اعضائے انسانی منور ہونے لگیں تو بُرے خیالات اور احساسات کی فلٹریشن کر کے، صالح خون کی طرح جسم کو صالح تصورات کی فراہمی میں دل کا بنیادی رول ہے۔

قلب کو قلب اس بناء پر بھی کہا جاتا ہے کہ ہمہ وقت بدلتا رہتا ہے، اسی لیے اسکی کیفیات بھی بدلتی رہتی ہیں۔ دل لغزش کھائے تو اسمیں قساوت (سختی) پیدا ہوجاتی ہے اور یہ قساوت بڑھ جائے تو انکار کی طرف لے جاتی ہے۔ شیطان نے انکار کی راہ اختیار کی تو اس کے پیچھے استکبار تھا۔ تکبر، رحمت خداوندی سے محرومی کا ذریعہ بنتا ہے، شیطان راندۂ درگاہ ہوا۔ تو اس نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے قیامت تک کی مہلت مانگی۔ جو اُسے مل گئی تو اس نے چومکھی حملے کا اعلان کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ بتایا کہ اکثریت آپ (خدا) کی ناشکر گذار ہوگی، اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات اس لیے بنایا کہ اسمیں خیر اور شر دونوں قوتیں رکھیں۔ جب وہ شر کو مغلوب کر کے خیر کی راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کا اظہار فرماتے ہیں۔ دل، خیروشیر دونوں کا مرکز ہے، اس لیے اسمیں الہام ووساوس دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، عقل شہرت دونوں اپنے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ آفات اس پر جلد حملہ آور ہوتی ہیں، منقلب ہونے کی کیفیت کے باعث اسکی اصلاح کی کوششیں اسی وقت کامیاب ہوتی ہیں، جب یہ مسلسل ہوں اور ان میں رخنہ نہ آنے پائے۔ اس کے لیے شریعت کی کشتی میں سوار ہونا اور طریقت کے سمندر میں غوطہ زن ہو اور موتی کی طرف بڑھے یعنی اللہ کا قرب حاصل کرے۔ قرب الٰہی عجز سے حاصل ہوتا ہے اور عجز کے لیے طریقت کی راہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ عموما دیکھنے میں آتا ہے کہ علم، عہدہ، منصب ہو تو اسمیں اکثر انسان میں بڑائی کا عنصر آتا ہے کہ میں عالم ہوں، میں اس بڑے عہدے کا مالک ہوں، میرا منصب بہت اعلیٰ ہے۔ یہ بڑائی اسکے اندر حجابات پیدا کرتی ہے۔ جب تک حجابات دور نہ ہوں تو طریقت کی دنیا اپنا رنگ نہیں دکھاتی، زندگی کے ماہ وسال نیکیاں کرتے ہوئے کٹتی ہے، مگر ان کے اثرات سے فیض یابی کم ہوتی ہے۔

معرفت الٰہی کے لیے سلوک واحسان کی منازل کی طرف رخ کرنا اور پھر کسی شیخ کے ساتھ نسبت انتہائی ضروری امر ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زہد وتقویٰ کی، ایک دینا معترف ہے، جو شخص چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتا ہو، اسکے ورع میں کیا شک ہے؟ مگر انہوں نے حضرت جعفر صادقؒ سے نسبت اختیار کی اور اس نسبت سے جو فیض حاصل ہوا، اس کا اظہار یوں فرمایا اگر زندگی کے یہ دوسال میسر نہ آتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا۔

ناشکر گذاری سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان ذکر الٰہی کرے، ایک حدیث کا مفہوم ہے، جب تو اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ شکر کا لازمی نتیجہ الفاظ نعت ہے۔ شکر زبان سے ہی نہیں، بلکہ قلب اور عمل سے ہونا ضروری ہے۔ جوں جوں قلب، یاد الٰہی میں محو ہوتا جائے گا تو اسرار ومعارف کا سلسلہ کھلنا شروع ہوجائے گا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا، جب اخلاص وللّٰہیت اور اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوگی۔

ہمارے ہاں خانقاہی نظام قال وحال ساتھ ساتھ چلتے رہے، مگر خانقاہی نظام میں کمزوری آئی تو صرف قال رہ گیا، بعض خانقاہیں صرف تزکیہ کا مرکز تھیں۔ بعض تعلیم وتزکیہ دونوں کا منبع تھیں اور بعض میں تعلیم وتزکیہ کے ساتھ جہاد کا سلسلہ بھی تھا۔ اسلام چونکہ رہبانیت کا قائل نہیں، اس لیے اہل اللہ نے جس محاذ پر ضرورت محسوس کی، اسی کا رخ

کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا خانوادہ برصغیر میں اسکی مثال ہے۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں، مادیت کے اس دور میں اصلاح قلب کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ اور ایسے ماحول کی ضرورت ہے، جہاں علائق دنیا سے فراغت اختیار کرکے، جسم وروح کے مرکز قلب کو اسم ذات کے ذکر سے ایسی ضربیں لگائی جائیں کہ اس سے ماسوی اللہ کا خاتمہ ہو اور اللہ کی حکمرانی کا آغاز ہو اور پھر قول وعمل اس احکام کا پابند ہو۔

اس کے بعد مولانا احسان الحق صاحب نے حضرت مولانا عبدالحی مدظلہ کو دعوت خطاب دی، حضرت مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ اگرچہ عمر رسیدگی، رعشہ اور شگر کے تکلیف کی وجہ سے بہت ضعیف نظر آتے ہیں۔ لیکن موصوف جب گفتگو شروع فرماتے ہیں تو زندگی بھر کے مطالعہ ومشاہدہ پر مشتمل باتوں سے سننے والوں کو بہت ساری معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی حرارت ایمانی سے بھی لبریز کردیتے ہیں۔ موصوف کی گفتگو اور تقریر کی ایک بڑی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں جہاں قرآن واحادیث کے حوالے ہوتے ہیں وہاں موقعہ ومحل کی مناسبت سے صوفی شاعروں کے اشعار کی کثرت بھی ہوتی ہے۔ ان کی گفتگو اور تقریر کا یہ پہلو بھی دوسرے مقرروں کے لئے قابل تقلید ہے کہ موضوع کے درمیاں اگر گفتگو ضمنی چیزوں کی طرف جاتی ہے تو تفصیل سے ضمنی واقعات بیان کرنے کے بعد واپس اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، حالانکہ سننے والے خود ان کی ضمنی باتوں میں اتنے محو ہوجاتے ہیں کہ خود ان سے اصل موضوع بھول جاتا ہے۔

حضرت مولانا نے تقریر شروع کرتے وقت فرمایا کہ میری صحت اس قابل نہیں ہے کہ میں تفصیل سے گفتگو کرسکوں، تاہم میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ میری گفتگو پندرہ منٹ کی ہوگی یا ایک دو گھنٹے کی، اگر اللہ کے فضل خاص سے دل پر باتوں کا ورود ہوگیا تو یہ گفتگو طویل بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مولانا نے گفتگو شروع کی تو تین پونے تین گھنٹے تک ان کی تقریر جاری رہی اور سننے والے ان کی روح افروز باتوں میں ایسے محو رہے کہ گیارہ بارہ سو افراد کے مجموعہ میں شاید ہی کوئی فرد ہو، جو دوران تقریر اٹھا ہو۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی باتیں دلوں کو کھینچتی ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی تقریر میں لطیفے اور دلچسپ واقعات کثرت سے تھے، سوم یہ کہ ان کی تقریر معلومات اور عشق سے لبریز تھی۔

بُری صحبت سے وقت کے پیغمبر کا بیٹا بھی تباہ وبرباد ہوگیا۔

مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ کی تقریر جامع نوعیت کی تھی اس میں اصلاح نفس کی باتیں بھی تھیں تو اصلاح معاشرت کی گفتگو بھی۔ عشق ومحبت ومعرفت کے نکات بھی تھے تو اسلامی شریعت اور ہر سنت پر عمل پیرا ہونے پر زور بھی تھا۔ مولانا کی تقریر کے دو نکات جو مجھے خصوصیت سے یاد رہے، وہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا، نفس کو مکمل طور پر اللہ ورسول کی اطاعت میں دینے کا سفر طے کرنا، راہ سلوک میں نفس سے فنائیت طے کراکر حالت بقا میں لانا اور عشق کے ذریعہ نفس کو امارہ اور لوامہ سے مطمئنہ تک کے مقام تک پہنچانا ایسا ہے، جیسے شیر کی مونچھوں کو پکڑنا یا اس سے کھیلنا، ظاہر ہے شیر سے کھیلنے کے لئے غیرمعمولی حوصلہ وہمت کی ضرورت ہے اور فرد کو جان تک چلے جانے کے خطرہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ دین ودنیا کی جملہ سعادتوں کا دارومدار اور آخرت کی نجات کا تعلق نفس کی قوت کو پامال کرکے اسے اللہ ورسول کی مکمل اطاعت میں دینے سے ہے، اس لئے راہ عشق میں چلے بغیر چارہ کارنہیں۔

مولانا نے دوسرا اہم نکتہ جو بیان فرمایا، وہ یہ کہ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ جہاں (یعنی جس خانقاہ میں) گاڑیوں اور بنگلوں کی فکر آئی، وہاں حقیقی روحانی فیض رخصت ہوجاتا ہے۔ اور حقیقی عشق کی صورت ناپید ہوجاتی ہے۔

موجودہ دور میں تصوف کے نام پر بہتر سے بہتر گاڑیوں اور عالیشان مکانات کی جو دوڑ شروع ہوئی ہے، بلکہ پیر اور بزرگ کی علامت ہی یہ ہوگئی ہے کہ وہ امتیازی شان وشوکت کے ساتھ رہے۔ مریدوں اور خادموں کے گھیرا میں رہنے لگے۔ زیادہ سے زیادہ جائداد کا صاحب ہو۔ اس پس منظر میں حضرت مولانا عبدالحی مدظلہ کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے اور ہمیں صحیح بزرگوں کو پرکھنے کا ایک معیار بھی فراہم کرتا ہے، بزرگی کا یہی وہ معیار ہے، جو سارے اکابر بزرگوں کی امتیازی خصوصیت رہا ہے یعنی زہد اور خود اختیار کردہ فقر۔

حضرت مولانا نے تصوف وذکر کے سلسلہ میں فرمایا، راہ سلوک کے سارے سلسلوں سروردیہ، قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ سب کا قول مشترک ذکر ''اللہ'' ہے۔ اسم ذات کے

ذکر کا تعلق قلب سے ہے، نقشبندی طریقہ میں دل پر اسم ذات کے ذکر کا تصور کیا جاتا ہے۔

طالبوں کو چاہیئے کہ اس نقش کو مرتے دم تک ہٹنے نہ دیں، ذکر کرنے والے تو چلے جاتے ہیں، لیکن ان کی قبریں ذکر کی گواہ ہوتی ہیں، فرمایا حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی قبر سے خوشبو پھوٹی، میں خود ان کی قبر پر گیا اور مشک وعنبر کی خوشبو خود سونگھی۔ ایک بات جو قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ اللہ اللہ کرنے والے دوست ہیں اللہ کے، وہ ذات حی وقیوم ہے، باقی رہنے والی ذات ہے۔ اللہ قائم ہے تو اللہ اللہ کرنے والے کس طرح مر سکتے ہیں۔

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ.

ذکر کرنے والوں کو ذاکر، شکر کرنے والوں کو شاکر اور صبر کرنے والوں کو صابر، عشق کرنے والوں کو عاشق وعارف کہتے ہیں، یہ سب اللہ کے گروہ ہیں، حضرت سلطان باہو کہتے ہیں۔

وچ طریقت عارف کامل واہ واہ ہمت پائی
ان دیکھے عشق دے اندر وچ عمر کھپائی

یومنون بالغیب یعنی ایمان بالغیب۔ اللہ نے ذات کو تو چھپایا ہے، جب کہ صفات کو ظاہر کیا ہے، جنت میں دیدار کی آخری نعمت حاصل ہوگی۔

جب صوفیاء سے علم نکل جاتا ہے تو خانقاہیں شرک وبدعت کے مراکز بن جاتی ہیں۔ ایک ولی اللہ تھے، ان کو وقت کے حکمران نے کہا کہ آدھے دن کی حکومت میں آپ کے حوالے کرتا ہوں، جس طرح چاہیں استعمال میں لائیں، ان بزرگ نے کہا کہ جب سے میں آدھی رات کی بادشاہی سے آگاہ ہوا ہوں، میں دن کے وقت کا ایک دانہ بھی لینے کے لئے تیار نہیں۔

صحبت ہی افراد کو بناتی اور بگاڑتی ہے، بُری صحبت سے بچنے کی ضرورت ہے۔

اگلے دن ۲۳ فروری کی کارروائی کی شروعات نماز فجر کے بعد حافظ، محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی تقریر سے ہوئی، انہوں نے کہا کہ موجودہ دور کے سارے المیوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ فرد وافراد پر نفس پرستی کی قوتیں غالب ہوگئی ہیں اور ہمارے تعلیمی وتربیتی ادارے نہ صرف یہ کہ نفسی قوتوں کو فروغ دینے کا ذریعہ بن گئے ہیں، بلکہ ان اداروں نے نفس کے بت کدے کا ادراک وشعور ہی سلب کر دیا ہے، معرفت نفس کے بغیر افراد، معاشرہ اور ریاست کے اصلاح کی صورت کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں، موصوف نے کہا کہ حقیقی علم وہ ہے جو تقویٰ وخشیت پیدا کردے۔ **إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ.** اس آیت میں ایسے علم کی نفی کی گئی ہے، جس میں خشیت نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کے دور میں اہل کتاب علم کے معاملہ میں دنیا بھر میں سب سے آگے تھے۔ لیکن ان کے علم نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا، اس لئے کہ ان کے علم نے انہیں دعویٰ، تکبر، حب جاہ وحب مال کے جذبات سے سرشار کردیا تھا، اس لئے قرآن نے فرمادیا **وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْراً مِّنْهُم مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَاناً وَكُفْراً** (اے پیغمبر) آپ پر اپنے رب کی طرف سے جو آیتیں نازل ہورہی ہیں، ان کے نزول سے اہل کتاب کی اکثریت کے کفر اور سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔

بات یہ ہے کہ علم کی چار سطحیں ہیں۔ ایک الفاظ کا علم ہے۔ دوسرا معنیٰ کا علم، تیسرا مفہوم کا علم، چوتھا الفاظ کی روح تک رسائی کا علم ہے، جسے نور بھی کہتے ہیں، **أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِيْ بِهِ فِيْ النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِيْ الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا.** (جو شخص مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا، اور وہ لوگوں کے درمیاں حالت نور میں چل رہا ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے)۔

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّور (اللہ تعالیٰ جسے نور نہیں دینا چاہتا، اس کے لئے کوئی نور ہی نہیں)۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں علم کی اس آخری سطح کو علم کے دائرہ کار سے نکال دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ باطنی بیماریوں کے شعور سے قاصر ہوگیا ہے اور معاشرہ پر حیوانیت، بہمت اور نفس پرستی کی قوتیں غالب ہوگئی ہیں۔

اللہ نے ہر انسان کی فطرت میں دین اسلام کو رچا بسا دیا ہے۔ **فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهِ جَمِيْعًا.** اپنا رخ یکسو ہوکر دین اسلام کی طرف کرلو، یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

ضرورت ہے کہ فطرت میں موجود ان صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی طرف توجہ دی جائے، اس طرح اندر سے جو نور بصیرت پیدا ہوگا، وہ حق وصداقت کی رہنمائی کرے گا اور

وہ قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات کی تصدیق کرے گا۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کی استعداد پیدا کرے گا۔

بعد ازاں حضرت ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب وومین میڈیکل کالج ایبٹ آباد کے چیرمن ہیں۔ موصوف جدید تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ دینی اور روحانی فیض سے بھی بہرہ ور ہیں۔ مریدوں کا بڑا حلقہ ہے، جو ان کے روحانی فیض سے متمتع ہے۔ وومین میڈیکل کالج میں انہوں نے مادی حسن کی موجودہ فضا میں جو ماحول بنایا ہے، وہ یہ ہے کہ کالج میں داخل ہونے والی لڑکیاں اکثر بے پردہ آتی ہیں، لیکن جب وہ کالج سے فارغ ہوتی ہیں تو پردہ سے مزین ہوتی ہیں۔ اور دین کی بنیادی تعلیمات سے آشنا بھی۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک بڑی ادا یہ ہے کہ موصوف ظاہری وباطنی کمالات کے باوجود عجز، انکساری اور خاکساری کا مجسمہ ہیں، ہمارے سامنے ایک دانشور نے جو، ان کے مرید بھی ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ کی نئی کتاب ''الہام الباری تقریر صحیح البخاری'' میں کچھ نقائص رہ گئے ہیں جس کی مجھے نشاندہی کرنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فورا فرمایا کہ دوسرے ایڈیشن میں آپ سے مقدمہ لکھوا کر کتاب میں شامل کر دیں گے۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب تصوف کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت سے بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں، اور دعوتی مقاصد کے لئے بہت وقت نکالتے رہتے ہیں۔

موصوف نے اپنی تقریر میں فرمایا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اللہ نے اتنے بڑے مجمع کو اس زمانے میں خالص اپنے نام کیلئے اکٹھا کیا ہے اور یہ سارے افراد اللہ کیلئے آئے ہیں، اللہ بڑے، اللہ کا نام بھی بڑا ہے، اللہ عظمتوں والے ہیں، اللہ کا نام بھی عظمتوں والا ہے، آپ نے واقعہ سنا ہے کہ حضرت سلیمان نے جب بلقیس کا تخت لانے کے لئے کہا تو ایک جنّ نے کہا کہ میں مجلس برخاست ہونے سے پہلے ہی لے آؤں گا اور ایک شخص جو مجمع میں بیٹھا تھا، جو علم نبوت کا حامل اور اللہ کا علم رکھنے والا تھا، اس نے کہا کے آنکھ کھولنے سے پہلے میں تخت حاضر کروں گا، یہ اسم اعظم کی برکت تھی، صحابہ کرام نے قسطنطنیہ کی دیوار کو اور حضرت علی نے خیبر کے دروازے کو اسم ذات کی برکت سے اکھیڑ دیا تھا۔

اللہ کی مخلوقات مختلف مادوں سے بنی ہیں، جنّ، آگ سے، پہاڑ پتھر سے، فرشتے، نور سے، بعض مخلوق ہوا پانی سے بنی ہے اور انسان سب سے کمزور مادے مٹی سے بنایا گیا ہے وہ بھی گلی سڑی مٹی سے۔

جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو بنایا، اس میں روح پھونکی، علم عطا کیا تو فرشتوں کو حکم کیا کہ آدم کو سجدہ کرو، سب نے سجدہ کیا، اللہ کے حکم کو دیکھ کر فرشتوں نے مادے کو نہیں دیکھا، لیکن جب شیطان سے کہا کہ سجدہ کرو تو اس نے کہا کہ میں جس مادے سے بنا ہوں، وہ آدم کے مادے سے چار گناہ زیادہ افضل ہے، اسے چاہئے کہ مجھے سجدہ کرے، شیطان نے مادے کو دیکھا تو اللہ نے اسے مردود کر دیا، اسی علم کی برکت سے جو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے، یہ کلام خود اللہ کی ذات سے نکلا ہے اور تمام کتابوں سے اعلیٰ ہے، اللہ نے نبی علیہ السلام کو قرآن میں اپنے احکام دیئے اور صحابہ کے دلوں پر پیش کیا، انہوں نے قرآن کو مانا اور قبول کیا تو وہ لوگ جو خرابیوں میں مبتلا تھے، اللہ نے انہیں خیرالقرون بنا دیا۔

اللہ نے قرآن میں حضورﷺ کے مقصد بعثت کو بیان کیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ.

پہلا مقصد۔ قرآن کے معانی اور مرادات کو امت پر پیش کرنا، قرآن، سارا دعوت ہے، اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہے اور آیات کا ذکر ہے، جنت جہنم، حشر قیامت کا ذکر ہے، یہ سب دعوت ہے تو پہلا مقصد دعوت ہے۔

جیسے اللہ نے فرمایا **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ .**

قم کی تفسیر میں مولانا الیاس رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں کھڑے ہوجاؤ، اللہ نے فرمایا، اٹھو اور رب کے کمالات اور جمیع صفات کو بیان کرو۔

جنگ تبوک میں سخت گرمی تھی تو اللہ نے قرآن میں فرمایا، جہنم کی گرمی زیادہ سخت ہے، اللہ قیامت کے دن فرشتوں سے فرمائے گا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۔

کفار کو پکڑو اور جہنم میں ڈالو اور ایسی زنجیر سے باندھو، جو آگ کی ہے اور ستر ہاتھ اسکا ایک کڑا، اگر زمین پر ڈالا جائے تو پگھل کر تحت السراء تک چلا جائے۔

تو اللہ کے نبی ﷺ نے دعوت کا حق ادا کیا، اسی طرح ہر صحابی دین کا داعی تھا۔

قرآن وہ کتاب ہے، جو دلوں کو بدلتی ہے، زندگیوں کو بدلتی ہے (حضرت) ایک صحابی بہت بڑے شاعر تھے، بہت عقل مند، ان سے لوگوں نے کہا، ہمارے ہاں ایک شخص ہے، جو جادو کرتا ہے، لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے تو وہ گئے، خانہ کعبہ کا طواف کیا تو حضور ﷺ تلاوت فرما رہے تھے، انہوں نے کانوں میں انگلیاں دے دیں، تاکہ سن نہ سکیں لیکن اللہ نے تقدیر میں ہدایت لکھی تھی، دل میں بات آئی، میں اتنا عقلمند ہوں، سنتا ہوں، اگر سچ ہوا تو مان لوں گا، قرآن سنا تو دل بدل گیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، حضرت عمرؓ کے قلب کو قرآن نے کھینچ لیا، روح کو بدل دیا۔ ایک قبیلہ کے بارے میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ انکے دل بہت سخت ہیں، ایمان نہیں لاتے، انکے لئے بددعا کریں تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا یااللہ، انکو ہدایت عطا فرما، آپ رحمتہ اللعالمین تھے، شیطان پر بھی آپ کی رحمت کا حصہ ہے، جب شیطان مردود ہوا تو دو فرشتے اللہ نے مقرر کئے کہ اسکو قیامت تک عذاب دیں، شیطان، عالم عابد بھی تھا لیکن جب **وَمَا أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ** آیت نازل ہوئی، کیونکہ وہ عالم عابد تھا، لیکن عاشق نہیں تھا، عشق تصوف سکھاتا ہے، تزکیہ عشق سکھاتا ہے (بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق، عقل تھا محو تماشالب بام) تو شیطان نے اللہ سے کہا، یا اللہ تو نے فرمایا ہے کہ میرا نبی رحمتہ اللعالمین ہے تو اس رحمت میں میرا بھی حصہ ہے تو اللہ نے ان فرشتوں کو منع کر دیا، اسکو عذاب دینے سے، قیامت کے دن دیکھا جائے گا۔

دوسرا مقصد بعثت۔ تزکیہ۔

تیسرا مقصد کتاب کا علم اور حکمت وہ نبی علیہ السلام کی عملی زندگی ہے۔

کتاب کا علم وہی دعوت ہے اور حکمت آپ ﷺ کی عملی زندگی ہے، شریعت کا اتباع ہے، آپ کی سنت ہے، آپ کے قول اور فعل ہیں۔

قرآن علوم کا جامع اور نبی علیہ السلام کے اعمال اخلاق کے جامع ہیں۔

تو تیسرا مقصد علم حاصل کرنا ہے، علماء کی موجودگی میں مدارس کا قیام، اس کے لئے آپ ﷺ نے دار ارقم مدرسہ کی بنیاد رکھی، اس میں اکابر صحابہ ایمان والے بنے، حضرت مصعب بن عمیرؓ فرماتے ہیں، میں دار ارقم گیا تو آپ نے میرے قلب پر ہاتھ رکھا، جو

تصوف میں ہم اسم ذات کی ضرب لگاتے ہیں (اللہ) یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے بٹھا کر اسے سمجھایا کہ اگر کوئی تیری ماں، بہن، بیٹی سے زنا کرے تو کیا تو برداشت کرے گا، اس نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا، کوئی پسند نہیں کرتا، آپ نے اسکے قلب پر انگلی رکھی اور اس کے قلب سے زنا کے پردے دور کئے، غفلت دور ہوگئی اور اسے زنا سے نفرت ہوگئی، حضرت مصعب بن عمیر فرماتے ہیں، جب آپ نے میرے قلب پر انگلی رکھی تو ایسی ٹھنڈک محسوس ہوئی، جیسے سمندر کی گہرائی میں ہوتی ہے تو میں اچھل پڑا اور میں نے کلمہ پڑھا اور قلب منور ہوگیا، وہ ایسے جوان تھے کہ لڑکیاں ان پر عاشق تھیں، جس گلی سے گذرتے تھے تو انکو خوشبو سے معلوم کر لیتی تھیں، چارسو درھم کا ایک جوڑا پہنتے تھے، جب دل میں انقلاب آیا، پھٹے پرانے کپڑے پہننے لگے، احد کے میدان میں کفن کی باری آئی تو اتنا چھوٹا کفن تھا کہ پورا نہ آتا تھا، یہ انقلاب قرآن کا پیدا کردہ تھا

تو تیسرا مقصد علماء کی موجودگی مدارس کا قیام، اس لئے دوسرا مدرسہ، مدینہ منورہ میں مدرسہ اصحاب صفہ کا قیام عمل میں آیا، ان مدرسوں سے صحابہ کو علم ملا اور قرآن کی تفسیر، حدیث اور فقہ کا علم ان کی برکت سے ہم تک پہنچا، سکول کالج کا علم یہ علم نہیں، بلکہ فن ہے اور مادے کا علم ہے اصل علم قرآن، حدیث فقہ کا علم ہے، یہ علم وحی کا علم ہے۔

یہ صحابہ کا ہم پر احسان ہے کہ ہم تک علم وحی پہنچایا، امام بخاری لکھتے ہیں ۸۰۰ صحابہ وتابعین نے حضرت ابوہریرہ سے علم حدیث پڑھا، حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں، جب عبداللہ ابن عباسؓ کا جنازہ طائف سے اٹھایا، میں ساتھ تھا، ہم نے دیکھا کے ایک پرندہ آسمان سے آیا اور انکے کفن میں گھس گیا، ہم انتظار میں تھے کہ وہ باہر آئے، لیکن وہ نہ نکلا اور جب ہم نے قبر میں دفنا دیا تو قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی تھی **يَـٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ** کی قدر کرنی چاہئے، انکی جوتیاں ہمارے سر کے تاج ہیں۔

چوتھا مقصد تزکیہ یعنی قلوب کی صفائی۔

آپ ﷺ کا قلب نور کا منبع تھا، زندگی میں چار مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے سینہ کو نور ایمان، حکمت، شفقت، رحمت سے بھرا تو صحابہ آپکی محفل میں آتے تو یہ نور انکے دلوں کو منور کرتا تھا، دل کی صفائی کے لئے صحبت ضروری ہے، دین کا صحبت کے

ساتھ گہرا تعلق ہے، جو بغیر صحبت کے دین سیکھنا چاہتے ہیں، وہ گمراہی کی طرف جا رہے ہیں، صحابہ کے قلب میں قرآن اور آپ علیہ السلام کے قلب کا نور منعکس ہوا اور جب دل منور ہو تو اخلاق حمیدہ آ جاتے ہیں، آپ ﷺ کے اخلاق مثالی ہیں۔ اللہ نے فرمایا **وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** ۔

علماء ربانی فرماتے ہیں، تصوف کا لب لباب اخلاص ہے، یعنی میں جو عمل کر رہا ہوں وہ اللہ کیلئے ہے، قیام، رکوع، سجود سب اللہ کیلئے ہیں، یہی وجہ ہے کے ہر رکن سے پہلے ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں اور اپنی نیت درست کرتے ہیں۔

جب تصوف سے قلب منور ہو تو اخلاق آتے ہیں، تقویٰ آتا ہے، انابت اور عجز آتا ہے، دنیا سے بے رغبتی آتی ہے پھر معمولی گناہ پہاڑ لگتا ہے اور زہد آتا ہے۔

صحابہ دنیا کماتے تھے، لیکن وہ اسے آخرت سے پیچھے رکھتے تھے۔ حضر جابرؓ گھر آئے، پریشان تھے، بیوی نے پوچھا، کیا بات ہے، فرمایا، پیسہ زیادہ جمع ہوگیا ہے، بیوی نے کہا، اللہ کی راہ میں خرچ کردو، ایک رات یا دن میں چھ لاکھ درہم غرباء میں تقسیم کردیئے۔ صبح آئے اور بیوی سے کہا، تیرے مشورے سے دل ہلکا ہوا اور بیوی کے ہاتھ چومے۔

علماء ربانیین فرماتے ہیں، حبِ مال پہلے نکلتی ہے اور حب جاہ سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی گورنر تھے، اپنے ہاتھ سے کھجوڑ کی ٹوپیاں اور مصلے بناتے تھے، انکو ۳ درہم میں فروخت کرکے، ایک درھم اللہ کے راستے میں، ایک گھر کے خرچ کے لئے رکھتے ایک سے مال لیتے۔

صحابہ کرام کو امیر المومنین گورنر بناتے تھے، وہ انکار کرتے تھے۔

تو تصوف سے اخلاق رذیلہ، خود نمائی اور تکبر وغیرہ نکل جاتا ہے اور اخلاق حمیدہ پیدا ہوجاتے ہیں، ہمارے دیوبند کے تمام اکابر سب علم کے پہاڑ تھے، لیکن صحبت سب نے اختیار کی، دیوبند کے حلقہ سے وابستہ افراد کی سب سے پہلے تصوف کی ابتدا کرنے والے نور محمد رحمتہ اللہ علیہ تھے، جنھوں نے عبدالعلیم رحمتہ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا، جب انہیں خلافت ملی تو سید حافظ ضامن رحمتہ اللہ علیہ جو جنگ آزادی کے ہیرو تھے، وہ حضرت نور محمدؒ صاحب کے پاس تشریف لائے، بیعت ہونے کیلئے، وہ دھوتی باندھے ہوئے تھے، حافظ صاحب نے کہا کہ میاں جی دھوتی کہاں سے ملیں گی تو انہوں نے فرمایا میں کپڑے نہیں، بلکہ دل دھوتا ہوں تو تصوف سے قلب میں نور آتا ہے۔

جب جبرئیل علیہ السلام نے تین بار آپ ﷺ کو اقراء فرمایا تو انہوں نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو جبرئیل نے تین بار سینے سے لگایا، انکے سینے میں نسبت اتحادی منتقل ہوئی تو آپ نے پڑھا۔

ہمارے سارے اسلافِ دیوبند نے باوجود علم کے پہاڑ ہونے کے کسی نہ کسی کی صحبت میں بیٹھکر کر اللہ کا نام سیکھا۔ اسلئے اللہ نے جتنے مقصد بتائے، صاحبو سب کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔

اجتماع کی اختتامی تقریر مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ کی تھی۔ انہوں نے راہ سلوک میں نفس کو پامال کرکے اسے اللہ ورسول کا مطیع کرنے اور نفس کی سرکشی کا زور توڑنے اور رضا بالقضا کے مقام پر فائز ہونے کے لئے نقشبندی سلسلہ کے ذکر وفکر، اسباق اور مراقبات کی تفصیل بیان کی اور راہ سلوک کے طالبوں کو تلقین کی کہ دودن کے اجتماع میں ہونے والی پُر معزز، اور ایمان پرور گفتگو کو اپنے دلوں میں جگہ دیں اور اجتماع سے حاصل ہونے والی خوشبو کو اپنے ساتھ لیکر جائیں اور اس خوشبو سے اپنے آپ کو اور معاشرہ کو معطر بنانے کی کوشش کریں۔

آخری دور کے فتنوں میں بندہ مؤمن کا کردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عقائد وایمانیات، عبادات ، اخلاق ، معاشرت ومعاملات ، امر بالمعروف ، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے بارے میں ہدایات دیں اور امت کی رہنمائی فرمائی ، اسی طرح مستقبل میں واقع ہونے والے دینی زوال و انحطاط ،تغیرات اورفتنوں کے بارے میں بھی امت کو آگاہی دی ہے اور ہدایات فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمایا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں دینی زوال وانحطاط آیا اور وہ طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اور نصرت سے محروم ہوئیں ، ایسے ہی حالات آپ کی امت پر بھی آئیں گے۔۔۔ اس انکشاف واطلاع کا مطلب یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو آنے والے اس خطرے سے آگاہ کریں اور اس بارے میں ہدایات دیں۔

حدیث کی کتابوں میں ’’کتاب الفتن یا ابواب الفتن‘‘ کے زیرِ عنوان جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں ، وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی سلسلہ کے ارشادات ہیں۔ ان کی حیثیت صرف پیش گوئیوں کی نہیں ہے، بلکہ ان کا مقصد ومدعا امت کو آئندہ آنے والے فتنوں سے باخبر کرنا اور ان کے اثرات سے تحفظ کا داعیہ پیدا کرنا اور طریقِ کار کے بارے میں ہدایت دینا ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : یقیناًایسا ہوگا کہ تم (یعنی میری امت کے لوگ) اگلی امتوں کے طریقوں کی پیروی کروگے، بالشت برابر بالشت اور ذراع برابر ذراع (یعنی بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے) یہاں تک وہ اگر گھسے ہوں گے گوہ کے بل میں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کروگے،عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہود ونصاریٰ ؟ (مراد ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور کون ؟ (صحیح بخاری ۶۸۸۹)۔

شبر کے معنی بالشت اور ذراع کے معنی ہاتھ کی انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنی تک کی مقدار جوٹھیک دو بالشت برابر ہوتی ہے ، حدیث کے الفاظ شبرا بشبرٍ وذراعا بذراعٍ کا مطلب بالکل وہ ہے،جو اردو محاورہ میں قدم بقدم کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے ، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی سر پھرے پاگل نے گوہ کے بل میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے، جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے (مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے، یہ دراصل کامل پیروی اور نقالی کی ایک تعبیر وتمثیل ہے) آگے حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کسی صحابی نے عرض کیا کہ حضرت ! ہم سے پہلی امتوں سے کیا یہود ونصاریٰ مراد ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نہیں تو اور کون ؟ مطلب یہ ہے کہ ہاں !میری مراد یہود ونصاریٰ ہی ہیں ۔

جیسا کہ تمہیدی سطروں میں عرض کیا گیا کہ یہ صرف پیشگوئی نہیں ہے بلکہ بڑے مؤثر انداز میں اگاہی ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والے خبردار اور ہوشیار رہیں، اور یہود وانصاریٰ کی گمراہیوں اور غلط کاریوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور (مجھ سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ: اے عبداللہ بن عمرو ! اس وقت تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہوگا، جب صرف ناکارہ لوگ باقی رہ جائیں گے ، ان کے معاہدات اور معاملات میں دغا وفریب ہوگا اور ان میں (سخت) اختلاف (اورٹکراؤ) ہوگا اور وہ باہم اس طرح گتھ جائیں گے (جیسے میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے گتھی ہوئی ہین)عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر مجھے کیا کرنا چاہیے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (یعنی اس فسادِ عام کے زمانے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : جس بات اور جس عمل کوتم اچھا اورمعروف جانو، اس کو اختیار کرو

، اور جس کو منکر اور برا سمجھو، اس کو چھوڑ دو ، اور اپنی پوری توجہ خاص اپنی ذات پر رکھو (اور اپنی فکر کرو) اور ان ناکارہ و بے صلاحیت اور آپس میں لڑنے بھڑنے والوں سے اور ان کے عوام سے تعرض نہ کرو ۔ (صحیح بخاری)

حثالہ کی معنی بھوسی کے ہیں، یہاں اس سے مراد ایسے لوگ ہیں، جو بظاہر آدمی ہونے کے باوجود آدمیت کے جوہر سے بالکل خالی ہوں، ان میں کوئی صلاحیت نہ ہو، جس طرح بھوسی میں کوئی صلاحیت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ حال بھی بیان فرمایا کہ ان کے معاہدات اور معاملات میں مکر وفریب اور دغا بازی ہوگی اور باہم جنگ وپیکار ان کا مشغلہ ہوگا ۔ نوعمر صحابۂ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فطری طور پر بڑے خیر پسند پرہیزگار اور عبادت گذار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ان سے فرمایا کہ جب کبھی ایسا وقت آجائے کہ ایسے ہی ناکارہ اور بدکردار اور باہم لڑنے بھڑنے والے لوگ باقی رہ جائیں گے تو تمہارا رویہ اس وقت کیا ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال ان سے اسی لئے کیا تھا کہ وہ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے طالب ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایات فرمائیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب واسطہ ایسے ہی لوگوں سے ہو جو آدمیت کے جوہر سے محروم ہوں، اور نیکی کو قبول کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہ رہی ہو تو اہل ایمان کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے صرف نظر کرکے بس اپنی فکر کریں ۔ یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے مسلمانوں کو ہدایت دینا چاہیے تھے، اس کا مخاطب صحابہء کرام ہی کو بناتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد والے راویانِ حدیث کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت بعد والوں تک پہنچائیں اور ائمہء حدیث نے ان کو کتابوں میں محفوظ کردیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لوگوں کے لئے ایک وقت ایسا آئے گا کہ صبر واستقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنے والا بندہ اس وقت اس آدمی کی مانند ہوگا، جو ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ تھام لے۔ (ترمذی:۲۲۶۰)

مطلب یہ ہے ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ فسق وفجور اور خدا فراموشی ماحول اور فضا پر ایسی غالب آجائے گی کہ خدا اور رسول کے احکام پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا اور حرام سے بچ کر زندگی گذارنا اتنا مشکل اور صبر آزما ہوجائے گا، جیسے کہ جلتا ہوا انگارہ ہاتھ میں تھام لینا، یہ وہی زمانہ ہوگا، جس کا ذکر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں کیا گیا ہے۔